سب آوازیں میری ہیں

احمد فراز

باذوق لوگوں کے لیے

ہماری کتابیں

خوبصورت کتابیں

تزئین و اہتمام اشاعت

خالد شریف

ضابطے

ناشر : خالد شریف

تعداد : ایک ہزار

اشاعت : فروری [illegible]

مطبع : صوفی اکرام پرنٹرز۔ لاہور

ادارہ : نادر پبلشرز۔ بہاولپور روڈ۔ لاہور

قیمت : چالیس روپے

عنوانات

حرفِ سادہ

یہ ان دنوں کی بات ہے جب فیض صاحب علامہ اقبال کے فارسی کلام کا منظوم اُردو ترجمہ کر رہے تھے۔ فیض صاحب سے بے پناہ عقیدت کے باوجود کسی حد تک میں بے تکلف بھی تھا ایک دن میں نے ان سے عرض کیا: "آپ ان تراجم میں اپنا وقت کیوں صرف کر رہے ہیں۔ یہ کام تو دوسرے لوگ بھی انجام دے سکتے ہیں آپ کے بے شمار مداح اور عقیدت مند آپ کی تخلیقات کے منتظر رہتے ہیں عالم یہ ہے کہ ہر کوئی بے چینی سے آپ کا نیا شعر یا مصرع سُننے کو بطور سوغات دوسرے شہروں اور دوستوں تک پہنچانے کے لئے بے قرار رہتا ہے۔" فیض صاحب نے ہمیشہ کی طرح مشفقانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا: "کیا تم پر کبھی شعر گوئی میں BARREN PERIOD نہیں گذرا! بانجھ پن کا ایسا وقت جو بعض اوقات مہینوں پر پھیل جاتا ہے۔" میں نے عرض کیا: "کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ طویل عرصے تک مصرع بھی نہیں کہا۔" بولے "تو پھر اس زمانے میں کچھ نہ کچھ تو کرتے رہنا چاہئے جنگ ہو نہ ہو سپاہی کو اپنے ہتھیار صیقل رکھنے چاہئیں۔"

'سب میری آوازیں ہیں' کے تراجم محض تخلیقی ہتھیاروں کو صیقل رکھنے کی غرض سے ہی نہیں کئے گئے بلکہ کچھ اور محرکات بھی تھے ایک وجہ تو یہ تھی کہ میں خود انہی حالات سے گذر رہا ہوں جن سے بیشتر افریقی جلاوطن شاعر دوچار ہیں اور اپنی سرزمین سے دور اپنے لوگوں کی انقلابی جدوجہد میں قلمی حوالے سے شریک ہیں دوسرا سبب یہ کہ پاکستان اور جنوبی افریقہ کے تاریخی اور سیاسی کوائف مختلف ہوتے ہوئے بھی کئی طرح کی مماثلت رکھتے ہیں۔ جنوبی افریقہ میں سفید فام اقلیت نے جس ظلم اور ڈھٹائی

سے مقامی سیاہ فام اکثریت کو انسانی توقیر اور حقوق سے محروم کر رکھا ہے اسی طرح پاکستان میں فوجی آمریت نے بھی اپنے ظالمانہ اور غاصبانہ رویّہ سے اپنے ہی لوگوں کو محکوم بنا رکھا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ وہاں بندوق کی لبلبی پر گوری انگلیوں کی جنبش حریت پرستوں کے خون سے ہولی کھیل رہی ہے اور پاکستان میں جمہوریت پسند دانشوروں سیاسی کارکنوں صحافیوں اور طلباء کا لہو زمین کا رزق بن رہا ہے۔ غالباً یہی بنیادی وجہ ہے کہ افریقی شاعری کے موضوعات کی حیرت انگیز مماثلت کے سبب پاکستان کے حالات کی بھی عکاس معلوم ہوتی ہے۔

یک مقصد یہ بھی پیشِ نظر تھا کہ جنوبی افریقہ کی نثری اور نظمی شاعری کو اردو طبقے سے بالعموم اور پاکستان کے ادیبوں شاعروں سے بالخصوص روشناس کرایا جائے۔ ساتھ ہی یہ احساس دلانا بھی مقصود ہے کہ جب خلقِ خدا ظلم اور استحصال کے خلاف نبرد آزما ہو اور لوگ اپنے حقوق کی بازیابی کیلئے جانیں تک قربان کر رہے ہوں تو لکھنے والوں پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اس تناظر میں اُن کا کیا کردار ہونا چاہیے؟

میں اپنی مختصر پیش لفظ کو افریقی ادیب کے اس جملہ پر ختم کرتا ہوں "صرف قیدی پرندہ ہی جانتا ہے کہ وہ کیوں نغمہ سرا ہے۔"

احمد فراز
لندن

شاعر کا پرچم

وہ کہتے ہیں
باآبرو شاعری کرو
جن سے اُن کی سفاکیاں خوشنما لگیں
مکروہ منظر تصویر دکھائی دیں
غلیظ آنتیں روشنی کی لکیریں نظر آئیں
خون کو شراب
اور موت کو نیند سے تعبیر کرو
وہ شاعر سے پھولوں کے ہار مانگتے ہیں

تاکہ ان کی گولیوں سے چھلنی ہونے والوں کی
قبریں سجائی جا سکیں
وہ لفظوں کے معطر گلدستے چاہتے ہیں
تاکہ تعفن پر خوشبو کی چادر ڈال دی جائے
وہ چاہتے ہیں
کہ لوگوں کے احتجاج کو
شعر کے منقش گنبدوں میں دفنا دیا جائے
ان کی خواہش ہے
کہ انسانوں کی دردناک چیخوں پر
موسیقی کی تانیں حادی ہو جائیں
اونچے سروں والے ساز بجائیں
جن میں
بے دردی سے قتل ہونے والوں کی کراہیں
دب جائیں
وہ چاہتے ہیں

کہ شاعر پنجرے میں بند ہو کر خوش نوائی کرے

عبادت گاہوں (کلیساؤں) میں گانے والوں کے

طائفہ کا خواجہ سرا بن جائے

اپنے غیض و غضب کو

چاندی کی چھنکتی ہوئی زنجیروں سے اسیر کر دے

ہم یہ سب نا قبول کرتے ہیں

ہمیں بدصورت ہونا گوارا

مگر

ہم آزادی سے قبروں کو کھود کر

لاشیں کھائیں گے

ہم سڑاند سے (خوشبوؤں کے) غلاف

نوچ پھینکیں گے

ہم اپنے شہیدوں کی انتڑیوں کو

اپنے پرچموں میں لپیٹیں گے

اگر ہم نے پھریرے ہی اٹھانے ہیں
تو پھر انکا رنگ عنابی ہونا چاہیئے

David Evans
If Poets Must Have Flags

ہماری ماؤں کو فراموش مت کرو

ہماری ماؤں کو فراموش مت کرو
جو ایک متعین صبر کے ساتھ
ہمارا انتظار کر رہی ہیں
ہمارے آبا کو مت بھولو
جو جیلوں میں سڑ رہے ہیں
اور کانوں میں گھُل رہے ہیں
ہمارے بچوں کو اپنی یادوں سے دُور نہ رکھو
جن کے بدن

گلیوں میں دم توڑ رہے ہیں

اب انتقام کا ہاتھ بلند ہو چکا ہے

اور ہم

مزید یقین کے ساتھ

اعادہ کرتے ہیں

کہ افریقہ آزاد ہوگا

ہم اسے آزاد کرائیں گے

جلا وطنی

مجھے جلا وطن کہیں
خانہ بدوش سمجھیں
یا شوریدہ سر شاعرانہ
(جو بھی کہیں)
میں ایک خاموش طبع اور مرنجان مرنج انسان ہوں
اپنی غیر مرئی رفتار سے گامزن
اپنے منصوبوں میں مگن
غلامی کی حد تک خوش خلق

لیکن پھر بھی

کبھی کبھی ماتمی نوحے

میرے دل کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں

میری خاموش آنکھوں کے پیچھے

میرے سر میں

سائرن اور انسانی چیخوں کی آوازیں

گونجنے لگتی ہیں

آوازیں

پھر آوازیں آنی شروع ہو گئیں
رات گئے سائرن کی گونج
دروازوں پر ٹھکوں کی دھمک
اور رگوں میں درد کی گوگ
پھر آوازیں آنے لگیں
بے الفاظ
لامتناہی نوحہ
(جسے کوئی قیدی ہی سمجھ سکتا ہے)

مدھم سے تیز کی سمت

دھیرے دھیرے بلند ہوتا جاتا ہے

میرے ہمزاد

ٹھنڈی بارش کی طرح

اپنے دکھ آہوں کی صورت میں اگلنے لگتے ہیں

دھماکوں کی گونج

ہڈیوں کے ٹوٹنے کی چٹخار

اور فوجی بوٹوں کی چاپ

پھر دبی آوازیں آنے لگیں

شاعر اور گوریلا

ایمسٹرڈیم میں تارک الوطن حرّیت پسند نہایت محتاط اور
خفیہ طور پر اکٹھے ہوتے ہیں۔ ایک گوریلا ایک شاعر ساتھی کا ہاتھ
تپاک سے اپنے ہاتھ میں لیتا ہے مفارقت زدہ لوگ جنہیں سیاسی
حالات نے ایک دوسرے سے جدا کر دیا تھا۔ ایک اجنبی ملک
میں دوبارہ یکجا ہوتے ہیں

پہلی آواز :- سوال یہ ہے کہ لوگ جو اپنی سرزمین
کی آزادی کے لیے بندوق اٹھاتے ہیں اور وہ جو پھولوں،
محبت یا جنگ ہی سے متعلق نظمیں لکھتے ہیں کیا وہ ایک ہی

خمیر رکھتے ہیں۔ یا وہ ساخت پرداخت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

دوسری آواز :۔ شاعر کا کام خواہ وہ جنگ کی حالت ہی کیوں نہ ہو قلمی کاوشوں تک محدود ہوتا ہے۔ ایسی جنگ جو شاعر کو نغمہ سازی پر نہ اکسائے ایک بے مقصد محاذ آرائی کے مترادف ہے۔

تیسری آواز :۔

تمام انسان شاعر ہوتے ہیں
تمام شاعر انسان ہوتے ہیں

اُدھر دور کہیں خون آلودہ جھاڑی میں دو حریت پرست زخموں سے چُور زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار ہیں ان میں سے ایک جب بمشکل سانس لیتا ہے تو درد کی تپش اس کے وجود کو یوں جھلسا دیتی ہے جیسے نیپام اردگرد کے علاقے میں آگ بکھیر دیتا ہے۔ ایک ایسی آگ جسے فنا ہی بجھا سکتی ہے۔ اسی لئے وہ مرنا چاہتا ہے جتنی بھی جلدی ہو سکے لیکن مشکل یہ ہے

کہ اُسے اس جانکنی کے عذاب سے نہایت سست روی اور

بے توقیری کے ساتھ گزرنا پڑے گا اس کے نوعمر ساتھی کو اپنے

دوست کی جانکنی نہایت بے بسی سے دیکھنا پڑے گی۔

سنو خون اگلتے ہوئے منہ کی آواز

ساتھی: مجھے ختم کر دو۔ مجھے فوراً ختم کر دو

(ادھر لندن کے ایک بند بام فلیٹ میں ایک شاعر نے

آخری الفاظ لکھ کر اپنی نظم کو تکمیل دے دی۔)

پہلی آواز:۔ یہ مت بھولو کہ ہم جنگ لڑ رہے ہیں

دوسری آواز:۔ مگر ہم جنگ کیوں لڑ رہے ہیں یہ بھی

نہیں بھولنا چاہیئے

تیسری آواز:۔ اور یہ بھی نہ بھولو

ایک مرتبہ پھر دم توڑتا ہوا حریت پرست اپنے ساتھی سے

رحم کی سزا کا تقاضا کرتا ہے۔

مجھے ختم کر دو۔ ساتھی مجھے دشمنوں کے لئے زندہ مت

پہلی آواز :۔ ہم ایمسٹرڈیم لندن اور نیویارک میں کیا کر رہے ہیں۔ ہمارے قلم یہاں محض سیاہی رو رہے ہیں جبکہ دوسروں کے جسم خون اُگل رہے ہیں۔ وہ زندگیاں قربان کر رہے ہیں اور ہم گفتگوؤں میں مصروف ہیں۔

یہاں محض الفاظ کی بوندا باندی
اور وہاں گولیوں کی مسلسل بارش

دوسری آواز :۔ لفظ کی برکتوں اور شعر کی تہذیب سے محروم جدوجہد سفاکیت کے مترادف ہوتی ہے۔

پہلی آواز :۔ جدوجہد کی پشت پناہی بغیر لفاظی محض ہوا ہے۔ اپنی مٹی اور اپنے لوگوں کی طرف سے جو قرض واجب ہے شاعر کو اس کی آگہی ہونی چاہیئے۔ ورنہ اس کا سب شوروغوغا گھومتے ہوئے پنکھے کی بے معنی آواز کے سوا کچھ بھی نہیں۔

دوسری آواز :۔ شاعر اپنے فرض سے غافل نہیں وہ رفتہ اور آئندہ سے آگاہ ہے لمحہ موجود کا مطیع اور ساعت گزشتہ

کا غلام ہوئے بغیر اپنی نغمہ گری جاری رکھتا ہے۔ اس گوریلا کی
مصداق جو اپنے دشمن پر بندوق تان تو سکتا ہے لیکن اُسے
ہلاک نہیں کر سکتا۔ اس کی انگلی لبلبی پر ہے مگر لبلبی دبا نہیں
سکتا۔ وہ اپنے حریف کو پہچان لیتا ہے جس کی بہن سے اس
نے لڑکپن میں شدت سے محبت کی تھی ان موسموں میں جب
خوبصورت اور لانبی دُم والے پرندے اپنی چونچوں کو پانیوں میں
ڈبوتے ہیں۔

پہلی آواز:۔ ایسی شاعری کا کیا فائدہ

ایسے رحم کی کیا ضرورت
مختصر یہ کہ اصلی زبان بندوق اور پیغام فنا ہے
باقی سب بکواس بیل کا مُوت

تیسری آواز:۔ شاعر اور لفظ

سپاہی اور بندوق

جدوجہد میں دونوں کو ہمقدم اور دوش بدوش ہونے کی ضرورت ہے۔

ائر کنڈیشنڈ کانفرنس ہال سے باہر ایسٹر ڈیم افریقہ کی

طرح تپ رہا ہے۔ یہاں لوگ سورج مکھی کے پھولوں کی طرح
جھلس رہے ہیں۔ لیڈن جاتے ہوئے دونوں اطراف پر
لالے کے رنگا رنگ پھول قطار اندر قطار اپنی
خوشبوؤں سے مست ورقصاں دین گاف کے نام پر
اپنی عقیدتیں نچھاور کر رہے ہیں۔

(یہاں کسی بندوق چلنے کی آواز فضا میں نہیں تھرتھراتی)
ادھر دور خون سے لت پت کسی جھاڑی میں ایک زخمی
حریت پرست دم توڑ چکا ہے۔ اس کی نزع اور فتح دونوں کا
خاتمہ ہو چکا ہے لیکن آنے والے برسوں میں اس کے زندہ
بھائیوں کے انتظار میں کون ہے؟

پہلی آواز :۔ جنگ میں شاعر کو اپنے جیالوں کی
جانثاری کے ترانے گانے چاہئیں۔ بس گیت کی یہی مقصدیت
ہونی چاہیئے۔

دوسری آواز :۔ نہیں صرف ایسے گیت جو جنگ کا
مقصد اور جواز بتائیں اس کا موضوع "یہ جنگ کس کیلئے ہے"

طرح تپ رہا ہے۔ یہاں لوگ سورج مکھی کے پھولوں کی طرح
جھلس رہے ہیں۔ لیڈن جاتے ہوئے دونوں اطراف پر
لالے کے رنگا رنگ پھول قطار اندر قطار اپنی
خوشبوؤں سے مست و رقصاں دین گاف کے نام پر
اپنی عقیدتیں نچھاور کر رہے ہیں۔
(یہاں کسی بندوق چلنے کی آواز فضا میں نہیں تھرتھراتی)
ادھر دور خون سے لت پت کسی جھاڑی میں ایک زخمی
حریت پرست دم توڑ چکا ہے۔ اس کی نزع اور فتح دونوں کا
خاتمہ ہو چکا ہے لیکن آنے والے برسوں میں اس کے زندہ
بھائیوں کے انتظار میں کون ہے؟

پہلی آواز:۔ جنگ میں شاعر کو اپنے جیالوں کی
جانثاری کے ترانے گانے چاہئیں۔ بس گیت کی یہی مقصدیت
ہونی چاہیئے۔

دوسری آواز:۔ نہیں صرف ایسے گیت جو جنگ کا
مقصد اور جواز بتائیں اس کا موضوع "یہ جنگ کس کیلئے ہے"

ہونا چاہیئے۔

تیسری آواز: جب ماؤ اور چے نے بندوق اٹھائی

تب شاعر اور سپاہی نے لفظ اور گولی کو ہمزبان کر دیا۔

ایمسٹرڈم میں سیاسی تارکین وطن جب ایک دوسرے

سے جدا ہوتے ہیں تو گوریلا شاعر کا ہاتھ تپاک سے تھام لیتا ہے:

افریقہ انتظار میں ہے

گولی اور حرف کے یکجان ہونے کا

گولی اور حرف ہمزبان ہونے کا

افریقہ انتظار میں ہے

ہالینڈ کا ایک خوبصورت مقام جو گل لالہ کی افزائش کے لیے مشہور ہے

آج جیل خانے میں

آج جیل خانے میں
ایک نادر رسمی ہدایت کے تحت
ہم قیدیوں کو ایک گیت گانے کی اجازت ہے

افریقہ سلامت رہے
صرف ایک گیت
ہم آہنگی اور متانت کے ساتھ
جذبوں پر ضبط کے بند باندھ لو

سات کی لوپٹے رکھے رہو

قیدی توانا مگر استوار آوازوں میں گاتے ہیں

افریقہ تیری خیر ہو

آنکھوں کے پیچھے

دل کی گہرائیوں سے اٹھے

نکیلے آنسو

بے ٹھکانہ پرندے کی وحشت کی طرح

کوئی نام کوئی مقام ڈھونڈتے ہیں

جن پر قیام کر سکیں

ان کارناموں کا ذکر

جو وہ انجام دے چکے

ان مرحلوں کا تذکرہ

جن سے گزر رہے ہیں

ان ارادوں کی فہرست

جن کی تکمیل کے لئے ابھی بہت کچھ کرنا ہے

آج جیل خانے میں
ہمیں ایک گیت گانے کی اجازت ہے ۔

Dennis Brutus
Today in Prison

نوحہ

(ایک افریقی حریت پرست رہنما ڈیوما نوکادی کی موت پر)

میت کی رسومات کے دوران

دیوانگی کے عالم میں

اگر ہم نے یہ محسوس کیا

کہ تیری موت نے ہمیں تنہا کر دیا ہے

تو ہم یہ معمول کا ماتمی گیت

"اے چمکتے سورج

اے نیلے آسمان

ہماری نظروں سے اوجھل ہو جا"

ضرور گاتیں

لیکن اے ڈیوما

ہمارے مشکل دنوں کے شہید بیٹے

جس امن اور مساوات کے حصول کے لئے

تو زندہ رہا

اگر وہ ہمیشگی اور تسلسل کے ساتھ

ہمارے وجود میں موجود ہے

تو ہم تیری موت پر کیسے آنسو بہا سکتے ہیں

تیرا نام جس کا تعارف ہمارے خون کے چھینٹوں سے

ہو چکا ہے

وہ تیرے پیکر سے بہت پہلے

ظہور میں آچکا تھا

تاکہ ہمیں بتائے

کہ نسل پرست زانیوں

اور سونے کے دانتوں والے

ذہنوں کی بدبودار اور دھنسی ہوئی قبروں پر
قدم رکھتی ہوئی
مزدوری کی صبح طلوع ہو رہی ہے
ڈیوما
میری مٹی کے لال
تیرا جسم ہمیں چھوڑ گیا ہے
اور بہت جلد چھوڑ گیا ہے
بے شک
یہ ایک سرحد ہے
مگر تو نے تو ہمیں بتایا تھا
کہ سرحدیں اور سمندر
انسانوں کو جسمانی طور جدا کرتے ہیں
ورنہ ایسی جدائی
کسی دکھ کے بغیر وجود میں نہیں آتی
چی نے کہا

کہ بعض لوگ مرکر
فنا ہونے کی بجائے
دوسروں میں منتقل ہو کر
اپنی زندگی اور فتح پا لیتے ہیں
اور پھر وہ
سب ناموں میں زندگی بسر کرتے ہیں
اور یہ ایسا ہے
کہ زندگی کے [illegible]
زیست کو موت سے زیادہ یقینی بنا دیتا ہے
تمہارا نام بھی
ماؤں کے رحم سے زمین کی کوکھ تک
اور جوانوں کے بازوؤں سے
مزدوروں کے ہاتھوں تک
زندگی کے دوامی تسلسل کی علامت رہے گا
اگر مردم آزار گجر و شکاری کتے کہتے ہیں

کہ وہ ہمیں تڑپا تڑپا کر مار دیں گے

نہیں کہنے دو

ان کے واہمے خود ان کی کھوپڑیوں میں

شگاف ڈال دیں گے

انہیں ان واہموں میں رہنے دو

وہ ہمارے سروں کے کاسے چور کر دیں گے

بجا

وہ ہماری ہڈیوں کو سُرمہ بنا دیں گے

درست

مکتبوں اور عبادت گاہوں کے ذریعے

وہ ہمارے نوخیز ذہنوں کو

گمراہ بنا دیں گے

تسلیم

لیکن

ہمیں یقین ہے

کہ ہمیشہ کے لئے روتے رہنا

ہمارا مقدر نہیں

ان بے لگام درندوں کی سفاکیت
ہمیں مطیع نہیں کر پائے گی
ہم نو دمیدہ شاخیں نہیں
پھر بھی تمہاری امن پرستی اور انسان دوستی
ہمیں توانا بنائے گی
ڈیوبا! میری بیٹی کے ہوتے
اس دھرتی پر ایسے وجود ہوتے ہیں
جو اپنے بعد بھی
ان گنت لوگوں میں موجود رہتے ہیں
تم ہمیشہ ہم میں زندہ رہو گے
سب نام تمہارے نام ہیں

ہمارا ایمان ہے
کہ زندگی کے لئے مرنا

زندگی کو موت سے زیادہ یقینی اور معتبر بنا دیتا ہے

اے شاعر

اسے تنہا رہنے دے

تم نے اس کی محبت کا گیت گا لیا

اگر تم پہاڑوں جیسا بوجھ ڈھوتے مزدوروں

کی مدح کرو گے

تو یہ اسی کی تعریف ہو گی

اگر تم [illegible]

تو یہ اسی کا قصیدہ ہو گا

اگر تم آزادی کا ترانہ گاؤ

تو یہ اسی کا رجز ہو گا

اگر تم امن کا نغمہ سناؤ

تو یہ اسی کا گیت ہو گا

شاعر

تم نے اس کا نام جانے بغیر

اس کا قصیدہ پڑھا

سنو میں تمہیں اس کا نام بتاؤں

اس کا نام ایک نعرہ ہے

"افریقہ واپس آؤ"

آؤ نظمیں لکھیں

آؤ نظمیں لکھیں

خون کی مانند سرخ تر و تازہ

گھنگھروں کی طرح کھنکتی ہوئیں

نظمیں

جو لوگوں کو جگائیں

جن کا موضوع

زندگی ہو موت نہیں

اُمید ہو مایوسی نہیں

صبح ہو شام نہیں

تازگی ہو پژمردگی نہیں

جدوجہد ہو ہزیمت نہیں

شاعر!

لوگوں کو یقین دلاؤ

کہ خواب بھی حقیقت بن سکتے ہیں

آزادی کی بات کرو

اور فنکاروں کو

اس کے معطر خلوت خانے کی دیواروں پر

فن پارے سجانے دو

آزادی کی بات کرو

اور لوگوں کی آنکھوں کو چھو کر

انہیں احساس دلاؤ

کہ اُن میں بے شمار ہونے کی قوت موجود ہے

وہ قوت

جو قید خانوں کی سلاخوں کو
گھاس کی بالیوں کی طرح مروڑ دیتی ہے
جو سنگِ خارا کی دیواروں کو
کانچ کی طرح ریزہ ریزہ کر دیتی ہے
شاعر
ان لوگوں کو ڈھونڈو
جو قفلوں کے دہانے کھول دیتے ہیں
اس سے پہلے
کہ آنے والے دس برسوں کو
گزرے ہوئے دس برس کھا جائیں

کیا میں غلط تھا

کیا میں غلط تھا

جب میں نے سوچا تھا
تم سب کا انتقام لیں گے
کیا میں غلط تھا
جب میں نے سوچا تھا
اس لوہے کی رسی سے
جس نے نوخیز بیلوں کی گردنوں کو جکڑ رکھا تھا
انتقام لیا جائے گا

کیا میں غلط تھا

جب میں نے سوچا تھا

بے دودھ بڑے ہونے والے یتیم

سمندر سے اٹھیں گے

کیا میں خطاوار تھا

جب میں نے سوچا تھا

کہ اب محبت کی ضرورت نہیں

کہ اب [illegible] کی ضرورت نہیں

اب زمین پر نیکی کی ضرورت نہیں

اب قبرستان ماتم کدوں سے

چاند کی طرف

ہاتھوں سے پیغام بھیجنے کی ضرورت نہیں

کیا میں غلط تھا

جب فضا انبساطات میں پاگلوں کی سی ہنسی ہنس رہا تھا

جب سمندر زندہ ہونے کی طرح دھواں اُٹھ رہا تھا

جب ہوا راکھ پر راکھ لا رہی تھی
کیا میں غلط تھا

جب میں خون کے مینار بنا رہا تھا
کیا میں غلط تھا

جب میں سیزر کی لوٹ مار کا انتقام لے رہا تھا
کیا میں غلط تھا

جب زمین کو تانبے کی طرح تپا کر
ستاروں کی بلندیوں پر رقص کرتے ہوئے
یورپ کو اپنی تہذیب کے شعلوں سے
بھسم ہوتے دیکھ رہا تھا
امریکہ کے خود ساختہ فولادی دیوؤں کے بازوؤں کو
روئی کے گالوں کی طرح اڑتا دیکھ رہا تھا
انسانوں کو ایذا پہنچانے والوں کو
خاک ہوتے دیکھ رہا تھا

کیا میں غلط تھا

کیا میں غلط تھا

غدّار

تم کو تو ہمارے مستقبل کا خواب بننا تھا
تاکہ تم وہ سب کچھ فراہم کر سکو
جو ہم پر حرام کر دیا گیا ہے
تم کو تو ہمارے زخموں پر مرہم رکھنا تھا
تاکہ تم شکستہ استخوانوں کو جوڑ سکو
لیکن
تم نے غدّاری کی
تم نے ہمارے دشمن کو اپنا چاہنے والا منتخب کیا

تم اس کے ہمراہ
ہمارے سامنے سے ایک گناہ کی طرح گزرتے رہے
تم اپنے آبا کے قاتلوں سے بغل گیر ہوئے
تم اپنے قبیلے کے لوگوں کو تختۂ دار تک لے گئے
تم نے اپنے باپ دادا کی روحوں کا مذاق اڑایا
تم نے ہمارے بھید کمینے اجنبیوں پر ظاہر کئے
تم نے ہمارے بزرگوں کے سروں کی تضحیک کی اور
ان کے سفید بالوں کا سودا ان کے بچوں سے
سامنے کیا
وہ ہونٹ جو قدیم صداقتوں کے امین تھے
اُن پر مہریں لگا دیں
اور پھر ان کی دھنسی ہوئی آنکھوں نے تمہیں بد دعا دی
"تم سمندر کا لقمہ بنو"

پولیس مقابلہ

سرکاری ہینڈ آؤٹ

وہ نویں منزل سے کود کر مر گیا

اس نے گلے میں پھندا ڈال کر خود کشی کر لی

وہ فرش دھوتے ہوئے صابن کی ٹکیہ سے پھسل گیا تھا

وہ نویں منزل سے گر گیا تھا

اُس نے خود کو لٹکا دیا تھا

وہ صابن کی ٹکیہ دھوتے ہوئے فرش سے پھسل گیا تھا

وہ نویں منزل سے کود گیا تھا

فرش دھوتے وقت اُس نے خود کو چھت سے ٹکا دیا تھا

وہ نویں منزل سے پھسل گیا تھا

اس نے نویں منزل سے خود کو لٹکا دیا تھا

وہ نویں منزل سے فرش دھوتے ہوئے پھسل گیا تھا

وہ پھسلتے ہوئے صابن کی ٹکیہ سے گر گیا تھا

اس نے نویں منزل سے خود کو لٹکا دیا تھا

اس نے نویں منزل سے فرش دھویا جب وہ پھسل رہا تھا

وہ نویں منزل پر دھلائی کرتے وقت

صابن کی ٹکیہ سے لٹک گیا

اور وہ گا رہے ہیں

جہاں سفید فام
جشن کے [illegible]
آسودگی سے قدح خواری کرتے ہیں
اور باقی روز
سونا سمیٹتے ہیں
وہاں
حیرت کی بات ہے
کالے آدمی

جنوروں کی سی
کمر توڑ دینے والی مشقت کے باوجود
گیت گا رہے ہیں

پا بجولاں

ریل گاڑی ایک شہر کے سٹیشن پر رُکی
میں نے کھڑکی کے کہر آلود شیشے سے باہر جھانکا
چھ آدمی مادر زاد ننگے
جن سے انسانیت کی ہر توقیر نوچ لی گئی تھی
تازہ مُنڈھی ہوئی بھیڑوں کی مانند
آگے پیچھے کھڑے تھے
بدن کو آبلہ بنا دینے والی ہوا میں
یوں منمنا رہے تھے

جیسے کہہ رہے ہوں
اے برفانی ہوا، ہم سے دور رہ
کیا تو نہیں دیکھ سکتی
کہ ہم برہنہ ہیں
ننگے پاؤں
ہتھکڑیوں میں جکڑے ہاتھ
ٹخنوں کے گرد بیڑیوں کے فولادی کڑے
وہ لنگڑاتے ہوئے
ریل کے ڈبے میں یوں داخل ہو رہے تھے
جیسے جانور
مذبح خانے کے خاص دروازے کی دہلیز پر
کسی نامعلوم خوف سے ٹھٹھک جاتے ہیں
ایک آدمی
جس کا سر آلو کی طرح منڈھا ہوا تھا
نیم وا چشم خوں بستہ کی مصداق

دونیم سورج کی طرف دیکھ کر

دھیمی آواز میں بولا

اچھے سورج

کیا تو میرا دل اُمید کی شعاعوں سے نہیں بھرنے دے گا

اور [illegible]

ایک نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہوئی

انتقام

تمہیں کیسا لگے گا

اگر میں رات کے اندھیرے میں آؤں

اور تمہارے پہلو میں نیزہ اتار دوں

اپنے ان شہیدوں کا انتقام لینے کے لیے

جن کو تم نہیں جانتے تھے

جن کے زخم مخفی ہیں

جن کی کوئی یادگار نہیں

وہ جن کو تم نے جشن کے اوقات میں

یاد کرتے ہو

ہم ان کو نہیں بھولے
دن بدن
ہمارے انتقام کی آگ تیز
اور اس کے شعلے
تمہارے شہروں
تمہارے بچوں کے گرد
اپنا حلقہ تنگ کرتے جاتے ہیں
جو راکھ کے مینار بن کر
ہمارے انتقام کی گواہی دیں گے

Mazen Kuwaiti
Vengeance

عروسی

سولی نادھی

ایک ٹیلے پر اکیلا کھڑا

اپنے گھر کے آنگن پر نظریں جمائے ہے

سولی نادھی

ٹیلے پر اکیلا

ڈھلوان میں واقع اپنے گھر کو دیکھ رہا ہے

جہاں آج اس کی بیٹی کی شادی ہے

مہمان گھر کے صحن میں

دولہا اور دلہن کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں

سولی نادھی سے کچھ فاصلے پر

خفیہ پولیس کے لوگ

سفید کپڑوں میں

نگرانی کے لیے موجود ہیں

تاکہ سولی نادھی

جس پر سماجی اجتماعات میں شرکت پر بھی

پابندی ہے

اپنی اکلوتی بیٹی کی عروسی کے دن

کہیں قانون شکنی کا مرتکب نہ ہو

نیچے ڈھلوان

سولی نادھی کے گھر

نوجوان

دولہا دلہن کے ساتھ کھانا کھا کر

ایک ایک کر کے

ٹیلے کی طرف آتے ہیں

تا کہ سولی نادھی سے

بچھڑ کر رخصت ہوں

"سولی نادھی"

اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی کے روز

ٹیلے پر کھڑا

اپنے گھر کو دیکھ رہا ہے

اکیلا بہت ہی اکیلا

ایک اور دن

آج کا دن بھی
بس روز ہی کی طرح کا ایک دن تھا
کوٹھڑی کا قفل کھلتا ہے
ناشتہ
دُھلائی
خاکروبی
صفائی
شاخوں کی تراش خراش

تالہ بندی

کوٹھڑی

غسل

چھ بجے رات کا کھانا

تالہ بندی ۔ کوٹھڑی ۔ تنہائی

اگلی صبح تک

چودہ گھنٹے مقفل کوٹھڑی میں

ہر رات

صبح

ہم نے گیارہ جوار کی چھلیوں کا راتب لیا

دس اپنے لئے

ایک کے لئے

اپنے ہاتھوں اگائی ہوئی چھلیوں کے لئے

ہم قدرے جذباتی ہو رہے تھے

آج شام کے راتب میں

بیسیوں کھائیں گے

سہ پہر تک

ہم نے ۱۲ جھاڑیاں تراشیں

ہم خوش تھے کہ ہمارے بوئے ہوئے بیج

کس طرح بارآور ہو رہے ہیں

آج کا دن بھی

معمول کی طرح کا ایک دن تھا

ناشتہ [illegible]

دوپہر کا کھانا

مقفل کوٹھڑی

دھلائی۔ خاکروبی۔ صفائی

غسل

چار بجے رات کا کھانا

مگر چار بجے سے پہلے

اُسے بلا لیا گیا

اچانک ۔ غیر متوقع
کوئی ملاقاتی آیا ہے
میں نے سوچا
یہ اچھی بات بھی ہو سکتی ہے
یہ بُری بات بھی ہو سکتی ہے
وہ ملاقات کے لیے
کھانا کھائے بغیر روانہ ہو گیا
ہم نے اس کا کھانا
اس کی کوٹھڑی میں رکھ دیا
تاکہ ملاقات کے بعد کھا سکے
کوئی خوشخبری
یا کوئی منحوس اطلاع
آج کا دن بھی
عام دنوں کی طرح ایک دن تھا
رات کا کھانا

کوٹھڑی میں تالہ لگ گیا

اکیلاپن

کوٹھڑی

آئندہ چودہ گھنٹوں تک کے لئے

جب ہم کھانا کھا رہے تھے

وہ ملاقات کے کمرے میں تھا

لکڑی کا ایک صندوق نما کمرہ

جس میں صرف چار پانچ کا چوکھٹا

ملاقاتی کا منہ

قیدی کا کان

ساتھ ہی ایک ساؤنڈ بکس

تاکہ قیدی اور ملاقاتی کی گفتگو

صاف طور پر ریکارڈ کی جا سکے

دو پہرہ دار قیدی کی طرف

دو پہرہ دار ملاقاتی کے قریب

اسے وہ ملاقات کا کمرہ کہتے ہیں

اس کے بھائی نے چوکھٹے میں تھوتھنی ڈال کر

اُسے بتایا

تمہارا بیٹا آج صبح مر گیا ہے

چوکھٹے سے پھر آواز آئی

تمہارا بیٹا آج صبح مر گیا ہے

جب وہ ملاقات کے بعد اپنی کوٹھڑی میں پہنچا

میرے خیال میں اس کا کھانا برف ہو چکا تھا

کوٹھڑی مقفل کر دی گئی

تنہائی

آئندہ چودہ گھنٹوں کے لئے

آج کا دن بھی

کسی عام دن کی طرح تھا

Kugh Lewis

Another day

مَس

تو میں کسی سے ہوں گا

مجھے چھوؤ

بہت تشنگی بہت وقت سے

مجھے چھوؤ
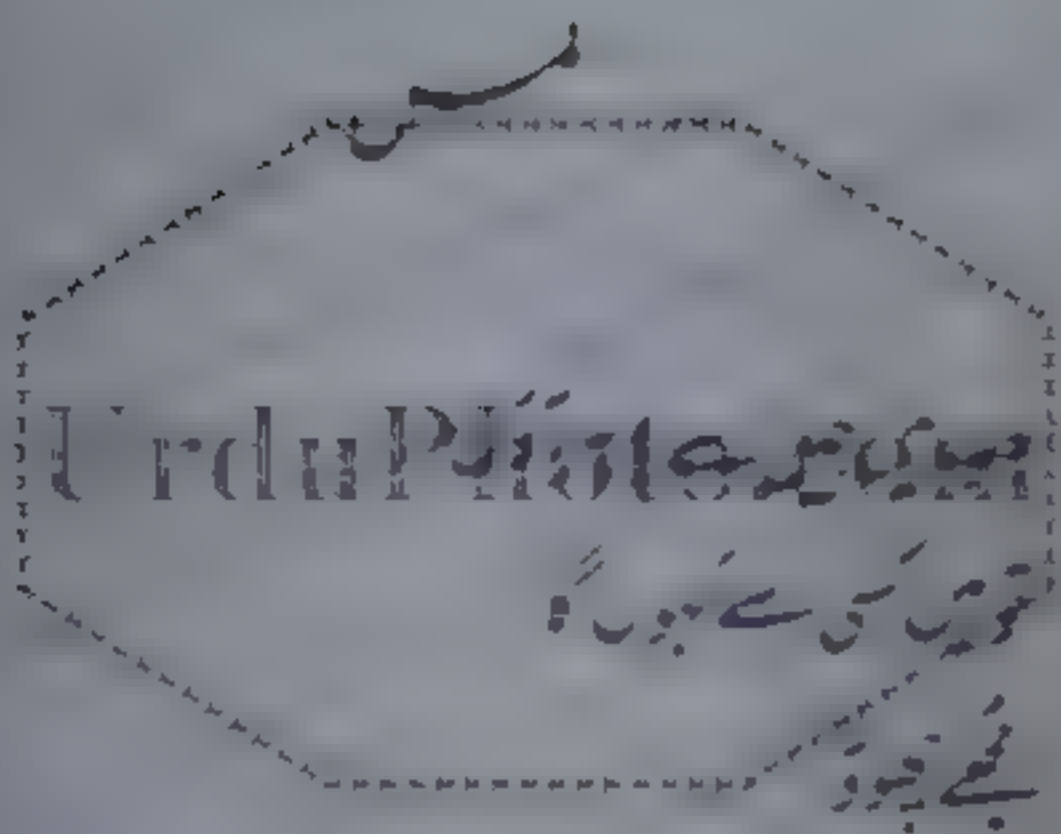
کیونکہ میں ایک بار پھر یہ جاننا چاہتا ہوں

کہ زندگی کیسے محسوس ہوتی ہے

مجھے سات برسوں سے

آخر میں چیخ اُٹھا تھا

نہیں، خدا کے لئے مجھے مت چھوؤ

پہلے چار برسوں تک

ہر روز تلاشی لینے والے پہرہ داروں کے ہاتھ

متجسّس۔ تھپتھپاتے ہوئے ہاتھ

بازو اٹھاؤ

بوٹ اتارو

دونوں ٹانگیں کھول دو

بہت مہارت سے

بوجھل۔ بے حس۔ لاتعلق

جسم کے تمام پوشیدہ حصّے ٹٹولتے ہوئے ہاتھ

میں سمٹے اور جاسوس ہاتھ نہیں چاہتا

میں دوبارہ چھُوا جانا چاہتا ہوں

کچھ اس طرح

کہ مجھے محسوس ہو

میں زندہ ہوں

میرا مطلب ہے جب میں یہاں سے نکلوں

تو کہوں۔ یہ میں ہوں۔

مجھے چھو کر دیکھو

پھانسی

(جنوبی افریقہ کے ایک جیلر نے کہا ہمارے ہاں مجرموں کو

موت کی سزا دینے کے لئے نہایت مہذب اور انسانی طریقہ ہے)

میں ایک مرتبہ

ایک شخص سے مِلا

جس کی موت

نہایت "مہذب طریقے" سے واقع ہونے والی تھی

اُسے آخری مُلاقات کے

مُلاقات کے کمرے میں لے جایا جا رہا تھا

وہ سر اُٹھائے اُوپر کی طرف دیکھ رہا تھا

جہاں ایک دھوپ کا ٹکڑا پڑ رہا تھا

جب ہم ایک دوسرے سے ٹکرائے

تو اس نے سر نیچا کر کے

میری طرف دیکھا

مسکراتے ہوئے اس نے نہایت ملائمت سے کہا

"معاف کیجئے"

اور مجھے عجیب ناآسودگی میں چھوڑ گیا

وہ موت کی سزا پانے والوں کے خاکی رنگ

کے مخصوص کپڑوں میں تھا

بغیر بٹنوں

بغیر تسموں

بغیر پیٹی کے

فقط حفظ ماتقدم کے طور پر

تاکہ وہ "مہذب طریقے" سے مرنے کی بجائے

خود کو مار دے

تمام ممکنہ احتیاطیں
تاکہ وہ خودکشی نہ کرے
دوسری صبح وہ اسے لینے آئے
یہ ایک بڑی گرمی کا دن تھا
سورج نکل چکا تھا
اور تمازت بڑھ رہی تھی
وہ پانچ بجے صبح پہنچے
ایک منصف
دو ڈپٹی لیفٹیننٹ
تین محافظ
اور پانچ علاقائی نائب محافظ
(جن کے پاس چابیوں کے گچھے تھے)
تمام پرسکون اور ریڈی کئے
ان کے ساتھ ہی
ایک کمانڈر

ایک ڈاکٹر
اور ایک پادری بھی تھا
(پادری کو صرف دہرے دروازے تک آنے کی اجازت تھی
جہاں وہ بے بسی سے صرف دعائیں پڑھ رہا تھا جب کہ
باقی کے سب مجرم کی رہنمائی کرتے ہوئے دہرے دروازے
سے آگے بڑھ گئے۔)
دھوپ کا ٹکڑا بند کھڑکیوں کے رستے سے کمرے
میں اتر رہا تھا
وہ سب کے سب مؤدب تھے
سب کے سب کچھ بڑبڑا رہے تھے
اس نے اپنا سر پیچھے کی طرف جھکایا
اس کے ہونٹ خشک تھے
جس وقت اس کے سر اور چہرے پر نقاب
ڈالا جا رہا تھا
اس نے سیکشن وارڈر کا ہاتھ سہلایا

ہر کوئی چپ چاپ

بُت بنا دیکھ رہا تھا

بالکل اس طرح جیسے

اس ساری کارروائی میں

اُن کا کوئی حصہ نہ ہو

سب اس طرح پُرسکون تھے

جیسے کوئی عام جگہ تھی

سب جانے پہچانے چہرے اور وہ وہاں تھیں

جیسے (کسی عبادت گاہ میں) بلند آواز میں بولنے کے خواہشمند ہوں

اس کے دونوں پاؤں کو تختے کی لکیروں کے مخصوص

ٹکڑے پر جوڑ دیا گیا

اس نے اپنے نقاب پوش سر کو

کسی متوقع آواز کو سننے کیلئے ایک طرف کو جنبش دی

جب اچانک تختہ کھسکا

جھٹکا

گلے میں پھندے کی گرفت سخت ہو گئی
اور سخت ہو گئی
اور وہ لٹک گیا
بیس منٹ تک اس کے جسم کو لٹکنے کیلئے چھوڑ دیا گیا
تا آنکہ
ڈاکٹر نے
آخری
قطعی
اور سرکاری اعلان کیا
ختم
اب لاش کو اتار دو

Hugh Lewin
Hang

مجھے یاد کرنا

مجھے یاد کرنا

جب لاجوردی آسماں
دُکھ سے آہیں بھرے

اور مٹیالے پیلے ہونٹوں کی جُنبش
میری موجودگی کا احساس دلائے
مجھے یاد کرنا

جب میرے وطن کے میدانوں کا سبزہ
میرے گہرے زخموں پر

اپنی چادر ڈال کر

میرے اندر

جی اٹھنے کی خواہش کا شعلہ

بیدار کرے

جہاں سنسناتی ہوئی

گولیاں

ہمیں آزادی کی صبح سے

قریب تر کر دے

مجھے یاد کرنا

آس

رات کے سرخ انگارے
غلامی کی مار کھاتے ہوئے
زمانے کے یخ بستہ دلوں کو
خطرے کا اشارہ دے رہے ہیں
رات کی سیاہی میں
انگار آنکھیں چمک رہی ہیں
ہماری زندگیاں
کتنی ہی اذیتوں کے سایوں میں لپٹی ہوئی ہیں

مگر ہماری فطری انسانی امید

مزاحمت

در نبرد زندگی کے لئے

ہمیں کچھ دور آگے

بڑھائے جا رہی ہے

میں انتظار کروں گا

میں نے بارہا
بھوک کا ذائقہ چکھا ہے
بالکل اسی طرح
جیسے منہ میں ریت بھر جائے
اور شعلوں جیسے آنسو رویا ہوں
جنہوں نے میری پلکوں کو چاٹ لیا ہے
اور وہ سب کچھ دھندلا دیا ہے
جسے میں دیکھنا چاہتا ہوں
لیکن آہ ہمیشہ

آج اور کل

ہر لمحہ ہر جگہ

جہاں بھی میں رہا ہوں

مسرت

بالکل ایک خوشگوار منظر کی طرح

میرے وجود کے سامنے کے راستوں میں

پھیلی ہوئی ہے

میرے رگ وپے میں

چاندی جیسے چمکیلے دریاؤں کی طرح رواں دواں ہے

اور اب مجھ پر کھلا ہے

کہ میں اتنا لبریز ہو کر بھی

کتنا پیاسا ہوں

میں انتظار کروں گا

میں انتظار کروں گا

کتبہ

(احمد ناموں اور دوسرے شہید ساتھیوں کیلئے)

اُن کی فتح یہی تھی

جب اُس کا گرنا

کانٹے میں پھنسی ہوئی مچھلی کی طرح تھا

چار روز بعد

اس کے باپ سے کہا گیا

جاؤ مسجد میں دعا کرو

تمہارے بیٹے نے جان دے دی ہے

وہ کھڑکی سے کود گیا تھا

ہم نے اسے یک بن پرنٹ دیا ہے

۱۹۰۶ء میں سوجی بھی اسی جگہ سے کودا تھا

احمد کو انہوں نے بتایا

۱۹۰۴ء میں سوجی بھی تمہاری طرح کچھ بتانے سے انکاری تھا اور

پھر سات منزلہ عمارت کی کھڑکی سے کود کر مرگیا تھا۔

مصنوعی ہنسی ہنستے

اور ایک دوسرے کو مکارانہ شرارت سے آنکھیں ملکتے ہوئے

وہ ہنسے تین منزلیں اور اوپر لے گئے

کیا تمہیں یہاں سے شہر کا نظارا اچھا لگتا ہے

تم گفتگو کرنا پسند کرو گے

پھر تم تو ہمارے لئے بہت قیمتی ہو۔ انعامی شکار

تم گفتگو کرو گے

یا اس بلندی سے کود جانے کو فوقیت دو گے

آنکس سے اس کے سر کو چھیدنے کے باوجود بھی

جب اس کی مزاحمتی خاموشی برقرار رہی

تو اُن کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا
اور گینگسٹر کے سے طیش میں آ کر
انہوں نے اُسے
سر کے بل - دسویں منزل سے نیچے پھینک دیا
تاکہ اس کے سر کے زخموں پر پردہ ڈالا جا سکے
جو آنکڑے دار سلاخ جیسے آئے تھے
وہ اُس "چھلانگ" کا تذکرہ
اولمپک کے کسی کھیل کی طرح خوش مزاجی سے
کر رہے تھے
ہم کبھی بھی طاقت کا استعمال نہیں کرتے
کچھ لوگ خود کو لٹکا دیتے ہیں
کچھ صابن پر سے پھسل جاتے ہیں
لیکن اس نے کود کر مرنا پسند کیا
(پولیس کے نمائندے نے پریس کے سامنے جیل میں سترویں
موت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا)

ہم کسی کو دھمکاتے نہیں
ہم کسی پر تشدد نہیں کرتے
ہم فرض کر لیتے ہیں
کہ کوئی بھی مجرم تفتیش کے دوران
فرار ہونے کی کوشش نہیں کرے گا
کوئی نہیں
کوئی نہیں
کوئی بھی نہیں
اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے
سب مرنے والوں کے لئے ایک ہی کتبہ کی تحریر لکھی۔

ہم جانتے ہیں
حریت پسندوں کو تشدد کی دھمکی دی جاتی ہے
تو وہ اپنے ساتھیوں کا نام بتانے کی بجائے
خودکشی کر لیتے ہیں
انہیں سکھایا جاتا ہے

کہ تفتیش کے آغاز ہی میں

کھڑکی سے کود جایا کرو

ہم کون ہیں

(ایک افریقی کی موت پر جو پولیس کی بلا جواز فائرنگ سے ہلاک ہوا تھا)

ہم کون ہیں

شہید یا غازی

جب ہم نے کوئی جنگ ہی نہیں لڑی

صرف ایک بیمار ریاست کی کشتہ مخلوق

گوناگوں ناسوروں کے انبار

جو نفرت کی بارشوں میں

نمو پاتے ہیں

ہم رزمگاہ میں نہیں اترتے

نہ ہی

کسی میدان میں نبرد آزما ہوتے

تاکہ تاریخ کی فرسودہ دستاویز سے

خود کو منسوب کر سکیں

ہم وہ قیدی تھے

جو اندھی راتوں میں مارے گئے

ہماری موتیں

"اتفاقیہ یا حادثاتی" واقع ہوئیں

اس کے باوجود

جب کل شہیدوں کے نام پکارے جائیں گے

جنہوں نے ہماری سرزمین کو آزاد کرانے میں

اپنی جانیں قربان کیں

تو بغیر کسی حیرت اور تامل کے

وہ گمنام اور نہتے ساتھی بھی

ان جاں نثار جوانوں کی فہرست میں ہوں گے

جنہیں لوگ عقیدتوں کے خراج پیش کریں گے

اپنی زمین کے مستحق بیٹے

ہمارے بچوں کے پھولے ہوئے پیٹ
جن کا نمایاں اُبھار
نظرانداز نہیں کیا جا سکتا
نہایت بیچارگی سے
توجہ کی بھیک مانگتے ہیں
تابوت ساز
اور
قبر فروش

انہیں دیکھ کر
منافقانہ ہنسی ہنستے ہیں

ہر دن
ہمارا مرنا
ہمارا ماتم کرنا
ہماری زندگی بن چکا ہے
جب بھی منافع کے بٹوارے میں
ذرا سی سکڑن کا
اندیشہ ہو
فصل اٹھانے والے اجنبی
وحشیوں کی طرح
ہم پر کوڑے برساتے ہیں
ہمارے سمندروں کی ہوائیں
ہمیں اپنے غیر فطری ماحول کا
احساس دلانے کے لئے

ہمارے کانوں میں
شدت سے شوکتی ہیں
ہمارے ساحلوں کی ریت
ہماری خود کوری کو
ستانے کے لئے
ہماری آنکھوں میں
طنزیہ رقص کرتی ہے
مگر اپنی زمیں کے مستحق بیٹے
ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہوئے
اپنے وجود کو
نہیں دیکھ سکتے

نفرت کی بُو

میری طرف دیکھو

اِدھر

میری آنکھوں میں

میرے تیوروں کی گہرائیوں میں

کوئی بے یقینی کوئی خوف نہیں

مجھ میں

وہ کالی خوبصورتی ہے

جو طوفان سے پہلے

کھڑ دُں سے بوجھل آسمانوں میں
نظر آتی ہے
ُن میں
تہہ بہ تہہ
نفرت کی سُرخ تمتماہٹ
دکھائی دے گی
میرے کانپے اور مضبوط ہاتھوں کو دیکھو
جن میں
تمہارے پرزے پرزے کو پھاڑ کر
تمہاری آئیں تمہارے اندر کا سب کچھ
ئندگی کے ڈھیر پر پھینکنے کے ارادے سے
کپکپاہٹ اور رعشہ آگیا ہے
اس کے لئے مجھے
بڑے بڑے ناخون پالنے کی ضرورت نہیں
کہ تم نے خود ہی

میرے اندر

لازوال نفرت کو

پروان چڑھایا ہے

میرے منہ کو دیکھو

اس کی لکیریں

میرے دل پر پڑی ہوئی خراشوں کا

عکس ہیں

یہ میری جاودان مزاحمت

اور تمہیں شکست دینے کا

عہد نامہ ہیں

میرے ماتھے کی نالیوں جیسی گہری لکیروں سے

بل کھاتا ہوا پسینہ

زمین کو اس طرح داغ داغ کر دے گا

جیسے بے بسی میں

غصے کے کڑوے آنسوؤں سے

ہمارے دل زخم زخم ہیں

مجھے ابھی تک

سکول جاتے ہوئے

نوعمر سیہ فام بچوں کے خون کے فوارے یاد ہیں

جن کے قدموں کی آوازوں کو

گرد سے اٹی ہوئی گلیاں

اب کبھی نہ سن پائیں گی

میری آنکھوں کے گوشوں کی سوئیں

اپنی موجودہ حالت پر ٹھہری رہیں گی

اس شرمناک منظر کو اوجھل ہونے سے بچانے کے لئے

جب تمہاری گولیوں کی بوچھاڑ سے

خوفزدہ ہو کر

دس اور بارہ برس کے نوعمر بچے

کوڑے کے ڈبوں کے ڈھکنوں کے پیچھے

پناہ لیتے وقت

چھلنی ہو ہو کر گر رہے تھے

اس روز میں پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا

اور میری آنکھیں

جب سے کھلی ہیں

اور ان کی سوئیں

جب سے

اسی زاویے پر ٹھہر گئی ہیں

تاکہ تم انہیں

اس وقت تک نہ جھٹکا سکو

جب تک

میں ان شہید بچوں کا

انتقام نہ لے لوں

راستہ

اے مائی کے لال

اپنی منزل کا تعین خود کر

اس راستے سے گزر جا

مانا کہ تلوار کی دھار

شیروں پر سوار ہو

اور ان کے ایالوں پر

اپنی گرفت مضبوط رکھ

اپنے کندھوں کو اٹھا کر چل

آسمان تمہاری راہیں
روشن رکھیں گے
اور خاردار جھاڑیوں سے اٹھتی ہوئی
آوازوں کی گونج
تیری رہنمائی کرے گی

لوتھی کونٹین منڈیلا اور سیول
اسی راستے پر چلے تھے
سرکنڈوں کو پیچھے دھکیلتا
کانٹوں کو روندتا ہوا چل

تمہارے ابروؤں پر
فرض کا بوجھ
اور پیٹھ پر مقدس جوا
تمہارے ایذا رسیدہ
لوگوں کے دلوں کا مرہم

درِ آزادی کا

زیج بنے گا

از نجیب شمس کا شعر سے

شہید در مقید رہنا

اے یادِ وطن

اے یادِ وطن

میں تجھے اگر تکلیف دہ سمجھتا ہوں

تو اس لیے نہیں

کہ تو میرے دل کو چیر کر

خواہشوں کے ٹکڑوں میں تبدیل کر دیتی ہے

بلکہ اس خواہش کے سبب

کہ میں اپنے ہموطنوں کا نجات دہندہ بنوں

اِدھر

میری زمین پر
انسانوں کو کچلا جا رہا ہے
پھولوں سے بچوں کو مسلا جا رہا ہے
بڑی بوڑھیوں کو پیسا جا رہا ہے
تاکہ وہ کھاد بن سکیں
گلیاں خون کے تالاب ہیں
جہاں لوگوں کو چیر کر

دو نیم کر دیا جاتا ہے
وہاں
روحیں زنجیروں میں جکڑی
اور جسم پنجروں میں بند ہیں
صرف چمڑی اور ہڈی والی کلائیوں پر
ہتھکڑیوں کے زخم ہیں
ان کے بدن
کل پرزوں میں کس دیئے جاتے ہیں

تاکہ
ان کے وجود سے
بھوک کی اذیت
سوچ کا کرب
بے چھت کے گھروں پر
طوفان کی یورش کا اندیشہ
اور مارے جانے والے
عزیزوں کا ماتم
خون کے ساتھ نچوڑ دیا جائے
یہ نقشے ہیں
جو میرے دکھ کو افزوں کرتے ہیں
یہ منظر ہیں
جو میرے جسم میں شگاف ڈالتے ہیں
یہ تصور ہیں
جو کیڑوں کی طرح

میرے وجود کو تڑپا کر
ایذا پسندی کے زیغ کو
خوراک مہیا کرتے ہیں
اے یادِ وطن
اے ماضی کے خیال
بس اسی لئے
تو تکلیف دہ ہے

Rebecca Mathlou

Nostalgia

منڈیلا

جنوبی افریقہ کا سیاہ فام رہنما جسے سفید فام حکومت نے عمر قید کی سزا دی ہے

وہ ۲۲ برس جیل میں گزار چکا ہے مگر مشروط آزادی سے انکاری ہے

منڈیلا
تم اُن کے لئے
صرف ۴۶۶/۶۴ نمبر ہو
جو اس جزیرے کی زمین پر
قلبہ رانی اور روشیں صاف کرتا ہے
مگر تم ایک قوت ہو
ایک استقامت ہو
اور اپنے بیٹوں کی شریانوں میں

جاری و ساری ہو
جو تمہاری زمین کے لئے
جنگ لڑ رہے ہیں
ہاں
اپنے ہاتھوں میں بیلچے کو مضبوطی سے تھامے
اپنی مٹی کے لئے
کھیتوں میں مشقت کرتے رہو
اپنے دوسرے کئی بھائی بہنوں
بیٹوں اور بیٹیوں کی طرح
جو افریقہ کی زمین کو
اپنی سخت کوشی کے پسینے سے سینچتے ہیں
یہ زمیں ہماری ہے
ہمیں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھنا
جب تک افریقہ ہمارے پاس واپس نہیں آتا

میری ہزاروں آوازیں ہیں

میری ہزاروں آوازیں ہیں
میں تمہیں وہاں سے پکاروں گا
جہاں سورج ڈوبتا ہے
میں تمہیں ان شاخوں سے آواز دوں گا
جو ہوا کا آنچل تھام کر ناچتی ہیں
تم نہ ختم ہونے والی متاع ہو
جو نسلوں کے ہونٹوں سے گاتی ہے
تم ایک سرسبز تمنا ہو

جس کی ہری بھری شاخیں

جھیل میں اتری ہوئی ہیں

جنہیں درخت کاٹنے والا

بے سود ذبح کر جاتا ہے

کہ بہار کے ساتھ ہی

ان میں زندگی کا تازہ خون

موج مارنے لگتا ہے

نئی کونپلیں پھر پھوٹ نکلتی ہیں

اور شاخیں جب پھولوں سے لد جاتی ہیں

تو قاتل

اپنے کلہاڑے اور تبر لے کر پھر آتا ہے

یہ سوچ کر

کہ یہ ہمیشہ کے لئے بانجھ ہو جائیں

وہ تمام پھلوں کو ہڑپ کر جاتا ہے

اس خوش فہمی میں

کہ اب ان پر بور نہیں آئے گا

لیکن نئے موسموں میں

نئی کونپلیں پھر پھوٹ نکلتی ہیں

پسِ مرگ

وہ لاشوں پر نمبر لکھ دیتے ہیں
نعش [illegible] کے نمبر
لاشوں کی قطاریں
چہروں کا جنگل
خاردار آنکھوں کے نیچے
کبھی ان کے ماتھوں کے پیچھے
دماغ دھڑکا کرتے تھے
جن کی دھڑکن

ایک للکار تھی
طاقت عوام کی ہے
مبارزت کا نعرہ
ابھی بھی گونج رہا ہے
بچوں کے جلے ہوتے سکوں کے خاکستر سے
اُٹھتا ہوا نعرہ
معصوم ہونٹوں سے پھوٹ کر
بزرگوں کے دہنوں سے
اُٹھتا ہوا نعرہ
کانوں
کارخانوں
اور کھیتوں کے حلقوم سے اُٹھتا ہوا نعرہ
خوشنما پرندے کے گلے سے اُٹھتا ہوا نعرہ
اِس گھٹالی سے
اُس بھٹی سے

چنگاری کی طرح

اڑتا ناچتا چکراتا ہوا

تندی سے

لوہے کی سلاخ کی مانند

سرخ گرم ہوا میں جذب ہو جاتا ہے

یہ سویٹو کے انگارے ہیں

جو گوگولیٹو کے دل کو آتش فشاں کر رہے ہیں

جو بوں ٹیو بول کے پھولوں کی طرح آتشیں ہیں

سُنو

دہکتے ہوئے انگاروں کو چھوتی ہوئی

مجاہد بچے کی آواز

گرتے ہوئے بچے کی آواز

سُنو

اے ماں

اے بابا

اے بچو

اے لوگو

آزادی کی توپ داغی جا رہی ہے

"مرتے ہوئے بچے کے ہونٹوں پر

نعرہ شو کھو جاتا ہے"

A N C Kumalo

Embers of Sweto

ہم ملیں گے

(ڈیوبا، ٹیرو اور ہر شہید ساتھی کے نام)

ہم ملیں گے
ڈیوب اور ٹیرو
اور اے ہر شہید ساتھی!
پہاڑی کی چوٹی پر
ہم ملیں گے
ڈیوب اور ٹیرو
لڑنے والے سپوتوں کے سینوں میں

ہم باتھا کا دل دھڑک رہا ہے
ڈیوبسا اور ٹیرو
ہتھوبی کے بچے بیٹوں کے سینوں میں
ہم باتھا کا دل دھڑک رہا ہے
کوئی کوڑا
کوئی بیڑی
کسی بم کی دہشت
کوئی گولی
کوئی خوں آلود صلیب
کوئی گرجتی ہوئی توپ
ہم باتھا کے دل کو
جو ڈیوب اور ٹیرو
اور ہر کالے بچے کے سینے میں دھڑک رہا ہے
مطیع نہیں کر سکتی
ہم کبھی نہیں جھکیں گے

ہم کبھی تذبذب کا شکار نہیں ہونگے
ہم کبھی چین سے نہیں بیٹھیں گے
مکافات سے پہلے
انتقام سے پہلے
مردو بڑھو
عورتو بڑھو
اپنے ان ساتھیوں کی لاٹھیاں
مضبوطی سے تھام لو
جو رزمگاہ میں مارے گئے
جو شہید ہو گئے

— —

ہم ڈیوب اور ٹیرو
اور
ہر شہید ساتھی سے
پہاڑ کی چوٹی پر ملیں گے

پہاڑ کی چوٹی پر ملیں گے
جب قوم آزاد ہو گی

۱- بم باتھا۔ جنوبی افریقہ کا سیاہ فام دہقان جسے بغاوت کے الزام میں قتل کر دیا گیا تھا۔

۲- جانی ڈیوب۔ نیشنل کانگریس آف افریقہ کا شہید تھا

۳- ابراہیم ٹیرو۔ نوجوان طالب علم دہقان جو مارچ ۱۹۷۴ء فرار ہو گیا تھا لیکن سفید فام پولیس نے اسے ایک پارسل بم کے ذریعے ہلاک کر دیا تھا۔

The spirit of Bambatha

جنگ کے بعد کا پہلا دن

ہم نے ایک نغمہ سنا

جیسے کہیں سے شادی کا جلوس آ رہا ہو

شہنائیاں بج رہی ہوں

ہم نے ایک علاقہ روشن دیکھا

جو شبنمی گھاس کی روشوں سے لپٹ رہی تھی

شہر دن میں کچھ تامل تھا

پھر ہم نے دوشیزہ کے قدموں کے نشان دیکھے

پھر آہستہ آہستہ

دھندلکوں سے اُبھرتا ہوا

اس کا خوبصورت چہرہ

اور پھر آزادی کی چمک لیے ہوئے

اس کی تابندہ آنکھیں

وہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ جاگی

اور بولی

آج کون دن ہے جو، چونک آگیا ہے

میں نے اسے بتایا

کہ آج جنگ کے بعد کا پہلا دن ہے

پھر کسی بات کا انتظار کیے بغیر

ہم کھلے میدانوں کی طرف بھاگے

نعرے لگاتے ہوئے

ہجوم در ہجوم

پہاڑوں، اور پگڈنڈیوں پر پھیل گئے

اور دنیا بھر کے لوگوں کو پکارنے لگے

ہم نے ایک بوڑھے بابا کو جھنجوڑ کر

جشن منانے کا مطالبہ کیا

ہم نے نئے موسم کے،

تمام دلہن پھل مانگے

ہم نے آبشاروں کے پار

آوازیں دیں

اور پھر دنیا کے ہر ٹکڑے سے

لوگ آ گئے

یہ امن اور محبت کا پہلا دن تھا

ہم نے دیکھا

کہ ہمارے آبا کے سائے

اپنے سروں کو اور اونچا کیے

چل رہے ہیں

لوگ کہتے ہیں

لوگ کہتے ہیں

ابھی ابھی سب نے دیکھا

یہاں آٹھ برس کی

ایک گڑیا جیسی بچی تھی

اس کے بال

نوکدار چوٹیوں میں گندھے تھے

اس نے معصومیت سے

(پولیس کو)

ہتھیاروں کے بیچ

[illegible]

ہمارے کھلونوں

ہمارے کھلونوں

زندگی کا ذائقہ دیتی

سوچیں

یہ ہتھیار ہمارے بچوں کے بازوؤں کے لئے ہے بارو

یہ ہمارے ہیں

ان ہتھیاروں نے

کئی مرتبہ

دشمن کا گھیرا توڑا تھا

پھر کیوں نہ ہمارے بچے

ہماری آوازوں کے ساتھ جئیں

ہمارے ڈراؤنے خوابوں کے بھرپورپن

کے ساتھ جئیں

انہیں چاہیئے

کہ وہ ہمیں پہاڑوں پر دفن کریں

تاکہ ہمارا مارے پھرنا

ان کی یاد سے نہ اترے

غروب آفتاب

ہماری جوانی چرائے لئے جا رہا ہے

اب ہمیں رخصت ہو جانا چاہیئے

ہمیں تاقی پرندے کے پیچھے پیچھے جانا چاہیئے

نیند

دہشت ناک نیند سو جائیں
اور ہمارے بچوں کے بچے
ہم سے آنے والے جشن کا خواب
ترکے میں لیں

ہم جو اپنے سروں پر
باز کو منڈلاتے ہوئے دیکھ رہے ہیں
ہم جو موت کی تیز بساند
سونگھ چکے ہیں

ہم جنہوں نے
اپنے ساتھیوں کے جسموں سے
گدھوں کو گوشت نوچتے دیکھا ہے
ہم تمہارے لئے
صبح کی شعاعیں

ورثے میں چھوڑتے ہیں

ناتمام مسافت

نظم

ہمیں اس رستے سے نہیں لوٹنا

کہیں ایسا نہ ہو

کہ پھر

ہم اپنے ہی سایوں کے روبرو ہو جائیں

کہیں ایسا نہ ہو

کہ ہمارے کانوں کے پردے

اپنی ہی اداسی کی گونج سے پھٹ جائیں

نہیں
ہمیں ہتھیار نہیں ڈالنے
چاہییں یہ سلسلہ
کیسا ہی لامتناہی کیوں نہ ہو
اور ہمارے پاؤں کو
شام کا راستہ
خستگی سے چور کر دے
ہمیں رات سے

بڑے خوابوں کی تخلیق
کا کام لینا ہوگا
تاکہ آنے والے دن کو
ہم نشانِ راہ بنا سکیں
ہمارے اطراف میں
مہکتے ہوئے پھولوں کی
مزید افزائش ہونی چاہیے

درختوں میں لگے پھل

تازہ پتوں میں جذب ہو جائیں

دگرنہ بعد میں

سڑے ہوئے

رگ و ریشے کے سوا

کیا رہ جائے گا

ہمارے سفر کی ابتدا

یہاں سے ہو

جو آفاق کی حد تک پھیل جائے

جہاں ہمارا ملاپ

اپنے بچھڑے ہوئے ہمزادوں سے ہو گا

تاکہ ہم انہیں

ایفائے عہد کی نوید دے سکیں

تاکہ وہ سورج کی

آخری پہاڑی کو سر کر سکیں

لاریب

ایسے معجزوں سے

ہماری فتح یقینی ہے

[illegible] ۱۹۳۰ء میں بنرز برگ میں پیدا
ہوا لیکن جنوبی افریقہ کی بجائے افریقہ میں مقیم ہے۔ اس کی
نظمیں مختلف بین الاقوامی ماہناموں میں شائع ہوتی رہی ہیں
نیشنل افریقن کانگریس سے تعلق رکھتا ہے۔

[illegible] ۱۹۲۹ء میں مشرقی ٹرانسوال
میں پیدا ہوا۔ دہشت پسندی کے الزام میں سات سال جیل
میں گزارنے کے بعد لندن آگیا جہاں وہ تحریر و تصنیف میں
مصروف ہے۔

[illegible] میں جنوبی افریقہ میں پیدا
ہوئی۔ دو مرتبہ جیل کاٹنے کے بعد وہ ۱۹۷۷ء میں لندن آگئیں
افریقی نیشنل کانگریس کی رکن ہیں۔

[illegible] ۱۹۳۵ء میں کوئینز ٹاؤن میں
پیدا ہوا۔ زیر زمین سرگرمیوں کی بنا پر پانچ برس قید کاٹنے
کے بعد ۱۹۷۰ء میں برطانیہ آگیا جہاں اس نے آکسفورڈ سے
یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد لیور پول میں بطور
ایک ماہر تعلیم کام کر رہا ہے۔ اس کے ڈراموں مختصر افسانوں

اور شاعری کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ قید کے زمانے میں اس
نے شاعری کا آغاز کیا تھا۔

Barry Feinberg ۱۹۳۸ء میں
ہیں پیدا ہوئے ۱۹۶۰ء سے برطانیہ میں مقیم ہیں ان کی نظمیں مختلف
جرائد اور شعری انتخابوں میں شائع اور شامل ہو چکی ہیں مختلف
زبانوں میں ان کی نظمیں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ افریقن نیشنل کانگریس
کے رکن بھی ہیں۔

Mazisi Kuvene پیدائش ۱۹۳۰ء شہر ڈربن سے
تعلق رکھتے ہیں ۱۹۵۹ء سے جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں
لاتعداد رسالوں میں ان کی نظمیں شائع اور افریقی شاعری کے
بہت سے انتخابوں میں شامل ہو چکی ہیں۔

لاس اینجلس (امریکہ) کی کیلیفورنیا یونیورسٹی میں
افریقی ادب کے پروفیسر ہیں۔

Keorapetse Kgositsile پیدائش ۱۹۳۸ء
(جوہنز برگ) ۱۹۶۱ء سے جلاوطن ہیں۔ آجکل دارالسلام میں
قیام پذیر ہیں اور تنزانیہ یونیورسٹی میں ادب کے اُستاد ہیں۔
ان کے چار شعری مجموعے امریکہ سے شائع ہو چکے ہیں اور جدید

افریقی شاعری کا انتخاب مرتب کر رہے ہیں۔ افریقی نیشنل کانگریس کے رکن ہیں۔

Dennis Brutus پیدائش ۱۹۲۴ء زمبابوے میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۶ء میں جنوبی افریقہ سے ہجرت کر کے لندن آ گئے۔ اٹھارہ ماہ تک قید بامشقت اور ایک برس تک خانہ بندی کے بعد برطانیہ آ گئے۔ ان کی پہلی کتاب ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی تھی اس کے علاوہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں وہ جنوبی افریقہ کے غیر نسلی کھیلوں کی کمیٹی کے سربراہ تھے۔ آجکل یونیورسٹی میں انگریزی ادب کے استاد ہیں۔

[illegible] ۱۹۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۷۶ء میں گرفتار ہوئے۔ ان پر دہشت پسندی کے الزامات تھے، ۱۹۷۹ء میں جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔ اور افریقی نیشنل کانگریس میں شمولیت اختیار کر لی۔ ان کی نظمیں مختلف رسائل میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

بیدائش ۱۹۴۲ء جوہنز برگ Victor Motapanyan:

۱۹۶۵ء میں جنوبی افریقہ سے فرار ہوکر ماسکو سٹیٹ یونیورسٹی

سے ایم اے فلاسفی کی ڈگری حاصل کی۔ اے این سی کے ممبر

ہیں۔ بہت سے رسائل میں ان کی نظمیں شائع ہوچکی ہیں۔

Oswald Mtshali

پیدائش ۱۹۴۰ء جنوبی افریقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آجکل

امریکہ میں قیام پذیر ہیں۔ ان کی پہلی کتاب ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی ان

کی نظمیں بہت سے انتخابوں میں شامل ہیں۔

پیدائش ۱۹۵۱ء جوہنز برگ Christopher Vanwyk

آجکل بطور صحافی کام کر رہے ہیں۔ پہلا مجموعہ کلام ۱۹۷۹ء

میں شائع ہوا۔